بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اُمید اور تشویش کی گھاٹیوں سے گزر کر آنے والا ـــــ مارشل لا کے ۹ سال بعد نمودار ہونے والا پہلا جمہوری بجٹ کیا مقصد رکھتا ہے؟ کس ہدف کی جانب بڑھ رہا ہے؟ کن اُصولوں اور اداروں کو اُبھارتا اور کن کو توڑتا ہے؟ یہ ہیں سوچنے کی باتیں۔ پھر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کن طبقوں اور مالی قوتوں کی ریڑھ کی ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے۔ اور کن عناصر کا خون نچوڑتا ہے یا تھوڑا سا گلوکوز لگا کر زیادہ بہتر انداز سے زیادہ اچھی مقدار میں ان کی شریانوں اور وریدوں سے ایک ایک قطرہ باہر کھینچ نکالتا ہے؟

کیونکہ خون کے ان قطروں کے سکے جب تک جمع نہ ہوں، ایک ایک وزیر پر لاکھوں روپے خرچ نہیں کیے جا سکتے، ایک ایک بہترین ماڈل کی گراں ڈیل کار ہر خادم قوم کو فراہم کر کے نہیں دی جا سکتی، بڑے بڑے عہدہ داروں کی تنخواہوں کے کوہ پیکر انبار نہیں لگائے جا سکتے۔ سیاسی منڈی میں اچھی طرح سوداگری نہیں کی جا سکتی۔ بین الاقوامی قرابتوں کی خاطر جام ہائے صحت نہیں ٹکرائے جا سکتے۔

خدا فراموش قسم کی پرستانی ضیافتیں اور آخرت فراموش مرتبے کے جشن ہائے رقص و سرود منعقد کر کے جنسی اودھم نہیں مچائے جا سکتے اور یہ نہیں ہوتا تو رجعت پسندی جان نہیں چھوڑتی بلکہ ساری قوم پر ملائیت کا ٹھپہ لگتا ہے۔ جو لوگ اپنے خرچ پر ننھے شاہ کی گوٹھ (یا زیارت ـــ یا مزار ـــ یا پنڈ) سے ساری عمر آگے نہ جا سکے ہوں انہیں انسانی لہو کی اشرفیوں کے ذریعے سات سمندر پار کی سیاحتیں کرائی جا سکتی ہیں۔ اور یہ نہ کرائی جائیں

تو نہ عقل آتی ہے، نہ علم آتا ہے، نہ تہذیب آتی ہے، نہ ایمان آتا ہے، نہ اخلاق آتا ہے، نہ اصلی اسلام کی سوجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے، نہ اجتہاد اور ترقی پسندی میں خمیر اٹھتا ہے اور نہ جسم اور قلب کی بیماریاں دُور ہو سکتی ہیں، نہ دُنیا ٹھیک، نہ دین درست، یا یوں کہیے کہ نہ خدا خوش نہ شیطان راضی۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

پس نو آبادیاتی علاقے ہوں یا نو آبادیاتی دور سے نکل کر نو آبادیاتی ذہن کے ساتھ ترقی پذیری کے ہوشربا تجربات کرنے والے ممالک ہوں، ان میں سے کوئی بھی اپنی ڈھیل قوموں سے خون کی دھاریں نکالنے کے اُس فنِ لطیف کو نہیں چھوڑ سکتا جس کا منظر خود بہت سے اکابر نے دیکھا ہے بلکہ غاصبوں کی تربیت کے مطابق خود ان کو مٹکے کے مٹکے نکال کر سرخ سُرخ انسانی امرت رس پیش کیا ہے۔ اب یہ خوئے غلامی تو نہ جائے گی جب تک کہ خون کا آخری قطرہ نہ نچڑ جائے۔

مجھے بجٹ پر اور طرح تبصرہ کرنا ہے، لیکن یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں نے ہندسوں کے کھیل پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ میں پہلے تو یہ دیکھ کر مرعوب ہوا کہ جیسے ایک بڑی بساط بچھی ہے اور اس پر ہندسوں اور رقموں کے بڑے بڑے پیکر تراش کر رکھے گئے ہیں۔ جناب لیسین وٹو بطور ایک ماہرِ فن یک طرفہ طور پر اس بازئ شطرنج کو کھیل رہے ہیں۔ وہ جس ہندسے کو اشارہ کرتے ہیں اُس کا قد کاٹھ بڑھ جاتا ہے جس پہ ترچھی نگاہ ڈالتے ہیں وہ جگہ تبدیل کر دیتا ہے۔ اور چاروں طرف گیلریوں میں قوم بھری پڑی ہے۔ سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی۔ عجیب کھیل ہے کہ ایک ہی کھلاڑی ہے اور اُسے لازماً فتح بھی ہوتی ہے۔ چت بھی اپنی، پٹ بھی اپنی۔

ایسے کھیل پہلے بھی بہت دیکھے۔

چراغ راہ کی ادارت (۱۹۴۸ء) سے مجھے اقتصادیات و مالیات کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ہر سال مرکزی اور صوبائی بجٹوں اور ٹیکس کی تجاویز کا تجزیہ کرنے میں خاصی دلچسپی

محسوس ہونے لگی۔

اُس زمانے سے آج تک ہر بجٹ (اور سروے اور ائر بک) میں جو بات یکساں طور پر موجود پائی اور جو مسلسل ترقی پا رہی ہے۔ وہ ہماری قومی اقتصادیات و مالیات کے خسارے اور اس کے ساتھ بین الاقوامی قرض کی مقدار ہے۔

اس بجٹ میں بھی سب سے زیادہ جس چیز نے میری توجہ کو اپنی طرف جذب کیا وہ ہماری قومی مالیاتی قوت کا زوال تھا۔ اس خسارے کو دور کرنے کے لیے ایک فارمولا یہ ہو سکتا تھا کہ درآمد زیادہ برآمد کم، پیداوارِ دولت زیادہ اصرافِ دولت کم۔ درآمد صرف شدید درجے کی ضروریات تک محدود اور آسائش و آرائش اور زیبائش کے اسباب کا ملک میں لانا یکسر ختم۔ بڑے عہدیداروں کی تنخواہیں اور مراعات کم، اندرونِ ملک ضروری اشیاء کی تیاری اس مقصد کو سامنے رکھ کر کہ اوّلاً غذائی اور دفاعی لحاظ سے مکمل خود کفالت اور پھر جملہ ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے بھی۔ تعیشات کا اس قوم کی زندگی میں دخل ہونے ہی نہیں دینا تھا۔ مگر آج تعیشات اور تفریحات ضروریات پر سواری کر رہی ہیں۔ یہ ہماری چالیس سال کی مالیاتی پالیسی کی درماندگیاں اور غلط اقدامیاں ہیں جن کو آج جتنا ہم بھگت رہے ہیں، ہماری اولادیں انہیں اور زیادہ تلخیوں کے ساتھ بھگتیں گی۔

لیکن متذکرہ فارمولے کے بجائے خسارے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمارے گزشتہ اور حاضر رہنماؤں نے یہ فارمولا زیادہ پسند کیا کہ دوسروں سے قرض لے لیا جائے۔ آخر قوم کا مزاج تو اوّل روز سے نوابی ہے اور نوابی ہمیشہ بنیے کے سہارے قائم رہتی ہے۔ مختصراً فارمولا یوں ہے — قومی آمد و خرچ اور تجارت درآمد و برآمد میں خسارہ — خسارہ پورا کرنے کے لیے قرض — قرض کی قسط اور سود کی ادائی کی وجہ سے سابق خسارہ میں مزید اضافہ — لہٰذا مزید قرض — اور یہ گھن چکر چلتا جا رہا ہے۔ اور خوب ترقی ہو رہی ہے۔ حسابات جوڑنے کے بعد درآمدی برآمدی تجارت کا خسارہ نصف کھرب روپے تک جا پہنچتا ہے۔ دوسری طرف آج ہمارے سر ½۱۰ بلین ڈالر یا ۱۷۰ بلین روپے کا غیر ملکی قرضہ ہے جس کے متعلق یٰسین وٹو صاحب کے بجٹ کے رو سے قرضوں کی سروسز کے سلسلے میں ادائی کے عنوان سے ۲۹ ارب ۳۴ کروڑ

۸۹ لاکھ روپے ادا کرنا ہیں۔ وزارتِ خزانہ کے ایک پارلیمانی سیکرٹری نے ہاؤس میں ایک سوال کے جواب میں وضاحت کرتے ہیں کہ اصل زر کی قسطوں کی واپسی ۶۷ کروڑ ۷۰ لاکھ ڈالر ہوگی اور سود کی ادائی ۹۴ کروڑ ۶۰ لاکھ ڈالر۔ ۵۰ لاکھ ڈالر کا سودی حساب تو صرف امریکہ کو دینا ہے[1] دوسری طرف اس بجٹ کو چلانے کے لیے ۲۶ ارب روپے باہر سے درکار ہیں۔ گویا نئے قرضوں سے تو اس سال کی قسط کی ادائیگی بھی پوری نہ ہو سکے گی۔ کمی قومی پیداواروں اور ٹیکسوں سے پوری کی جائے گی۔

نہ کوئی مارشل لا ایسا ہوا، نہ انتخابی آمر ایسا آیا، نہ جمہوری آمر اور نہ جمہوری ایوان کی وزارت کہ جو قوموں کے اوپر لدی ہوئی ۱۷۰ بلین روپے کی سِل کو ۵، ۱۰ سال میں پوری طرح ہٹا دینے کا منصوبہ سامنے لاتی۔ کوئی قیادت اگر قوم میں بیرونی قرضوں کے خلاف جنگ کرنے کا جذبہ پیدا کر کے بچے بچے کو ہم آہنگ کر لے تو وہ تین یا پانچ سال میں بھی نجات پا سکتی ہے۔ پہلا قدم یہ ہے کہ نئے قرضے حاصل کرنے کا سلسلہ یک قلم ختم کر دیا جائے اور پھر ساری قوم

[1] لگے ہاتھوں یہ بھی تو جان لیجیے کہ کن کن ساہوکار قوموں کے بہی کھاتوں میں ہمارا شمار ہے اور کہاں کہاں سے ہم نے پاکستان کے لیے "ترقی" قرض پر لی ہے۔ میرے پاس اتفاق سے اس وقت ۳۰ جون ۱۹۸۰ء کی مکمل رپورٹ پڑی ہے، بعد کے کاغذات موجود نہیں۔ اسی سے فہرست قرض خواہاں دیکھ لی جائے۔ امید ہے کہ اس میں اضافہ نہ ہوا ہوگا:

بلجیم، کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، نیدرلینڈ، یو کے، یو ایس اے، ایشین ڈویلپمنٹ بنک، آئی بی آر ڈی، آئی ایف سی، آئی ایف اے ڈی، آسٹریلیا، بلغاریہ، چائنا، چیکوسلوویکیہ، ڈنمارک، جرمن (D.R.)، ہنگری، رومانیہ، سنگاپور، سوئٹزرلینڈ، یو ایس ایس آر، ابوظہبی، ایران، کویت، لیبیا، قطر، سعودی عربیہ، اوپیک فنڈ، آئی ڈی بی، آئی ایم ایف ٹرسٹ فنڈ۔ میرا خیال ہے کہ بس اب ناروے، ڈنمارک، برازیل، سری لنکا، یونان، اسرائیل، نیپال وغیرہ جگہیں رہ گئی ہیں۔ ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

سے کہا جائے کہ تمام عیاشیاں، تمام عاداتِ بد، تمام فضول درآمدات، تمام بڑی تنخواہیں اور اور بھاری عمارتیں اور عالی شان فرنیچر، ختم کر کے حکومت کو اتنے فنڈز فراہم کرو کہ چند سال میں قرضوں کا بوجھ اُتارا جا سکے۔ بچے تک مٹی کے گلّوں میں ایک ایک پیسہ یا ایک ایک آنہ اس مقصد کے لیے جمع کریں کہ اس رقم سے غیر ملکی قرض کو ختم کرنا ہے، بڑی سوسائٹیاں بنا کر کمیٹیاں ڈال ڈال کر اور فضول اخراجات سے پیسے بچا بچا کر سُودی قرضوں کے عذاب سے قوم اور اس کے بچوں کو نجات دلانے کے لیے دیوانہ وار زور لگائیں۔ کاش کہ کوئی قوت اُٹھے اور قرضوں سے نجات کی تحریک کا آغاز کرے۔

انتہائی افسوسناک امر ہے کہ خدا کا کوئی ایک بندہ بھی ہماری صفِ قیادت میں ایسا نہ آ سکا جو قوموں کو کھا جانے والے اس آسیب سے ہمیں بچانے کے لیے کسی جذبۂ بے تاب کا اظہار کرتا ـــ بہ حیثیت مسلمان! بہ حیثیت آزادی پسند! بہ حیثیت قدر شناس جمہوریت! بہ حیثیت انسان! بہ حیثیت کارکنِ تحریکِ پاکستان! بہ حیثیت محبِّ اقبال! بہ حیثیت دانش ور لیڈر۔ کیا قحط الرجال ہے! ـــ اللہ رے سناٹا، آواز نہیں آتی۔

قرض سے نجات دلانے والی قوت تو کیا اُٹھتی، یہاں تو یہ مقابلہ درپیش رہا کہ کون باہر سے کتنا قرض قوم کو کما کے لا دیتا ہے، کس کے اثر سے بین الاقوامی بنیئے ہماری طرف مراحمِ خسروانہ کے ساتھ ملتفت ہوتے ہیں۔ معاملہ تو کچھ اس طرح کا رہا ہے جیسے کون سی دلہن جہیز زیادہ لاتی ہے۔ جہیز میں جائیدادیں نہیں آ رہیں، بلکہ ایسے عجیب و غریب قرضے آ رہے ہیں کہ پہلے منت سماجت کرنی پڑتی ہے، پھر حکومت کے مستحکم رہنے کا یقین دلانا پڑتا ہے۔ اور اسے مستحکم رکھنے کے لیے غیر اخلاقی جوڑ توڑ، سودا بازیوں اور غیر جمہوری جبریت سے کام لیا جاتا ہے جیسے مذہبی جنونیوں اور نام نہاد "بنیاد پرستوں" (در حقیقت داعیانِ تجدید و احیائے دین) کو دباتے کچلنے کی اسکیمیں باہمی مشوروں سے بنائی جاتی ہیں، احیائے اسلامیت کی کسی تشویشناک علامت (مثلاً کسی قانونِ شریعت کا نفاذ یا خواتین کا اہتمامِ پردہ، بلکہ دوپٹہ تک اوڑھنا یا ناچ گانے

پر کوئی پابندی یا فیملی پلاننگ سے گریز وغیرہ) کو اُبھرنے سے روکنے کی ترکیبیں اختیار کرنا، پھر قرض خواہ کو سود بھی دینا، اس کے ماہرینِ فن اور کارکنوں کو بھاری تنخواہوں پر ترقی کی مہمات میں استادانہ مقام ادا کرنے کے لیے بٹھانا، اس کے حسبِ منشا درآمدی برآمدی تجارت کو چلانا اور خام مال دے کر مشینوں وغیرہ کے ساتھ میک اپ کے سامان بہ افراط خریدنا، دُنیا میں نئے تعلقات بناتے وقت اپنے بڑے بنیوں کا خاص لحاظ رکھنا اور اُن کی خاطر ان کی چھینی مگر خبیث ترین قوتوں کے خلاف زبان کو دانتوں میں دبائے رکھنا، بین الاقوامی مجالس میں رائے دیتے ہوئے ان کے اشارہ ہائے ابرو کو سمجھنا ـــــ غرض ہمارے بڑے بڑے قرض خواہ نہ صرف مستعار دولت کا سارا ماحصل لے جاتے ہیں، بلکہ وہ پوری کی پوری دولت واپس لے جانے کے علاوہ ہمارے ہاں سے اور بہت کچھ لے جاتے ہیں۔ درحقیقت وہ ہم سے ہماری آزادی، ہمارا ایمان اور ہماری غیرت چھین لے جاتے ہیں۔

یہ ہے ان قرضوں کی اصل حقیقت جن کے حصول پر خوشی منائی جاتی ہے اور حکومتی قیادت عموماً بغلیں بجایا کرتی ہے۔

دوسرا بڑا مسئلہ اس بجٹ کا یہ ہے کہ اس بجٹ کی بیل کے سارے اچھے اچھے پھول توڑ کر وزارت اور بیوروکریسی کے اعلیٰ دماغوں نے ہار پرو دیئے ہیں اور وہ ہار اس طبقے کے گلے میں ڈال دیئے ہیں جو قومی زمین پر نسلوں سے ناجائز قبضہ رکھ کر اور ناجائز مقاصد کے لیے وہ خدائی قوت کو استعمال کر کے ہزارہا انسانوں ـــــ عورتوں اور بچوں تک کو بھی ـــــ ظلم و جبریت کے چابک سے مار مار کر اپنی غلامی میں استعمال کر رہا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کی سرپرستی میں بڑے پیمانے کے جرائم کو تیزی سے نشوونما مل رہی ہے اسی کی دخل اندازیوں سے سیاسی اسٹیج پر کٹھ پتلیاں نمودار ہوتی ہیں۔ اور وہ جب چاہے کسی کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹے اور نیچے گرا دے، کیونکہ ووٹ کی منڈی کا آڑھتی وہی ہے۔ یہی طبقہ اہلِ سیاست کو دھڑوں میں بانٹتا، ان میں سازشیں پیدا کرتا، اور ان کو باہم دیگر ٹکراتا ہے۔ بجٹ کا سارا میلہ یہی لوٹ کر لے گیا ہے۔ کیونکہ معاشرے پر یہی یہی طبقہ مسلط ہے، سیاست کی گردن [illegible] پنجے میں ہے [illegible] ملک کے نظام مالیات کا قبلہ

یہی ہے۔ اسی مرکزی محور کے گرد تمام مفاد پرست، غلامانِ فرنگ، بیوروکریسی کے اساطین، جرائم پیشہ اور تخریب کار قوتیں، اکثریت کے خلاف محاذ آرا اقلیتیں، بیرونی سازشی عناصر اور پیسے سے اکھڑی ہوئی خواتین کا اُچھلتا کودتا سحر زدہ گروپ وغیرہ جمع ہیں۔ اور یہ متحدہ محاذ اجتماعیت سیاست میں اسلام کی مداخلت کو روکنے کے لیے ہر اہم مقام پہ سنتری بنا کھڑا ہے۔ ہماری گردنیں اس مخلوط و متحد قوت کے پنجوں میں ہیں، جو آدھی قوم بھارت سے برباد ہو کر یہاں پہنچی تھی وہ یہاں اس فعال اور مسلط قوت کی لونڈی ہے۔ اس مخلوط قوت پر لادینیت اس طرح سے سایہ افگن ہے کہ یہاں اب اسلام کی طرف بظاہر ایک قدم بھی آگے بڑھانا ممکن نہیں۔ اس معرکے میں اسرائیل اپنا کام کر رہا ہے، بھارت کی لابی اپنی جگہ سرگرم ہے۔ قادیانی اپنے زہریلے مقاصد کے لیے راستے بنا رہے ہیں۔ روس نے اپنی ڈپلومیسی کا ٹینک بڑھایا تو کیا، کھلم کھلا پاکستانی احوال میں دھماکے کر کر کے تباہی مچا رہا ہے اور امریکا ایکی جگہ جگہ تخریب کار اپنے خونیں ڈرامے میں کردار ادا کرنے کے لیے متحرک ہو گئے ہیں۔

خداوندانِ اراضی کے گرد جمع ہونے والے اس "اسلام روک محاذ" کے کئی پہلو ہیں۔ کوئی اسلام کا مذاق اڑا رہا ہوگا، کوئی پارلیمان میں اسلام کی بات کرنے والوں کے ساتھ "تیلی رے تیلی تیرے سر پہ کولہو" کی ذہنیت سے بوچھاڑ کر رہا ہے۔ کوئی پیغمبرِ اسلام، بزرگانِ اسلام یا اصطلاحاتِ اسلام کو ضربیں لگا رہا ہے، کوئی عیاشی، فحاشی اور بے پردگی کے ذریعے اپنے کام کو آگے بڑھا رہا ہے، کوئی ٹیلی وژن سے عین جمعہ کے روز بچوں بچیوں کو ناچ گانے کی تعلیم دے رہا ہے۔ ایں خانہ تمام آفتاب است! جو جہاں ہے، وہاں ہی زمرد و یاقوت ہے۔

یہی وہ پہاڑ جیسی قوت اس ملک میں رکاوٹ ہے کہ جو شریعت بل کو پاس ہونے دیتی ہے اور نہ معاشرے یا ریاست کو اسلامی مقاصد کی طرف بڑھنے دیتی ہے۔

مجھے سخت صدمہ ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں کے دیس میں ملحدانہ، دولت پرستانہ اور غریب کش نظامِ مالیات بار بار کی جیتی ہوئی بازی کو پھر جیت کے لے گیا ہے۔

آیئے ذرا ان خوش نصیبوں پر ایک نظر ڈال لیجیے جو خداوندانِ اراضی کے لیے اس بجٹ میں

مقدر ہوئی ہیں۔
بڑے بڑے زرعی گھرانے جو ۱۴ فیصد قومی اراضی پہ قابض ہیں، ان کے لیے بجٹ کی بشارات یہ ہیں ۔
۱۔ ۱۴ فیصد بڑی زمینداریوں کی بڑی آمدنیوں کو ٹیکس سے آزاد رکھا گیا ہے جب کہ ۳۰ لاکھ گھرانے ایسے ہیں جن کی سالانہ آمدنی ۴۰۰۰ ۲ روپے سے زیادہ ہے۔
۲۔ پہلے قاعدہ تھا کہ زمیندار اپنی زمین کی درجہ بندی وصلاحیت (یعنی پیداواری یونٹ) کے لحاظ سے اس پہ سرکار سے قرضے لے سکتا تھا۔ مگر اب کرم نامہ پہ کیا گیا ہے کہ کوئی زمیندار اپنی بنجر اور افتادہ اراضی تک پر مارکیٹ ریٹ کے لحاظ سے قرضے لے سکے گا۔ یعنی جن زمینوں کو اس نے لاپروائی کی نذر کر رکھا ہو اور کبھی ان کی آبادکاری کے لیے کوئی محنت نہ کی ہو وہ بھی اب قرضے کا سونا اگلیں گی۔ پہلے قرضے صرف زرعی اغراض کے لیے ملا کرتے تھے، اب صنعتی مقاصد کے لیے بھی ملیں گے۔ یعنی ایک طرف زمیندار صاحب صنعت کار کے مقابلے پر کھڑے ہوں گے اور مارکیٹ کو متزلزل کردیں گے اور دوسری طرف نااہلیت کی وجہ سے کام خراب کریں گے۔ لیکن صنعت کار کو تو اپنے روپے کی فکر ہوگی یا قرض ہو تو اب تک کی روایت کے بموجب وہ واپس کرے گا، مگر یہ نیا مقروض سرمایہ دار ایسا ابھرے گا جو چاہے روپیہ عیاشی اور سرپرستی جرائم اور سلسلہ جنبانی سیاست میں کھپا دے، آخر میں آفات ارضی وسماوی کے حوالے سے دس پانچ سال میں درخواست دے گا کہ قرضہ معاف کیا جائے اور اہل اراضی کے قرضے ہمیشہ معاف ہوتے رہیں۔
گویا ایک نااہل اور غلط کار قوت کو اس کے اصل میدان کار سے ہٹا کر دوسرے مقاصد کے لیے قومی خزانے کے منہ کھول دیئے جائیں گے کہ آپ سونے کی اس کان سے جو چاہیں لے جایئے — رہی واپسی سو ہوتی رہے گی۔
ملک کی ایک ظالم ومفسد قوت میں اس طرح قومی دولت لٹانے کا فیصلہ کر لینا معلوم نہیں اسلام اور قوم اور غریبوں کی کونسی خدمت ہے۔ یا زراعت وصنعت پر کون سا کرم خاص ہے۔

۳- کیمیاوی کھاد سے سرکاری امداد ہٹانے کے لیے کئی سال سے آئی ایم ایف کی طرف سے سلسلہ جنبانی تھی۔ مگر اس رعایت کو زمینداروں کے لیے برقرار رکھا گیا۔

۴- ان سے کپاس اتنے اونچے ریٹ پر خریدی جائے گی کہ اسے برآمد کرنے کے لیے حکومت کو اپنے کندھوں پر ۲ء۲ بلین نقصان کا بار اٹھانا ہوگا۔

۵- غلے، باسمتی چاول اور چینی کی قیمتوں میں ۱۰ فیصد اضافہ کیا جائے گا۔

۶- مزید کمی یہ کہ ٹیوب ویلوں کے لیے بجلی کے چارجز کی وصولی میں کمی کر دی گئی ہے یعنی فلیٹ ریٹ ۶۰ روپے فی ہارس پاور چلے گا۔ مثلاً اگر انجن ۱۰ ہارس پاور کا ہے اور دس ہی ایکڑ زمین کے لیے ہے تو ۶۰ روپے فی ایکڑ خرچ پڑے گا۔

۷- دیہی علاقوں میں جو تھوڑے بہت ترقیاتی فنڈ رکھے گئے ہیں۔ وہ بھی کسی نہ کسی طرح مقامی "قوتوں" ہی کے زیر اثر آجاتے ہیں۔ اور وہ جن لوگوں کو جس طرح چاہتے ہیں نوازتے ہیں اور جن کو چاہتے ہیں محروم رکھتے ہیں، بلکہ ذلیل کرتے ہیں۔

بڑا اہم پہلو بجٹ کا وہ ہے کہ غریب پروری کا ایک قدرتی موقع پیدا ہوا تھا، اسے ضائع کر دیا گیا۔ یعنی تیل اور چائے وغیرہ کی قیمتوں کے بین الاقوامی منڈی میں گرنے سے ۱۴ ارب روپے یا جملہ آمدنی کے ۴ فیصد کا اضافہ ہوا۔ اب ایک شکل تو یہ تھی کہ یہ چودہ ارب روپے یا ان کا بڑا حصہ سیدھی طرح اٹھا کر عوام کی جھولی میں ڈال دیا جاتا کہ مہنگے ریٹس کے وقت تم نے جو تکلیف اٹھائی ہے، اب سستے نرخوں کے موقع پر اس کی تلافی کی جا رہی ہے، مگر ایسا نہیں ہوا۔

ملا کیا؟ پٹرول میں ۸ء۲٪ کمی۔ کیروسین تیل میں ۹٪ (غریبوں کے لیے تو بس یہی ایک اصل عطا ہے)۔ فرنس آئیل ۴٪ کمی۔ باقی مراعات خوشحال طبقوں کے لیے ہیں۔ مثلاً موٹر سائیکل اور پارٹس اور سپارکس پلگ پر ۵۰٪ کمی۔ کیمرا، کیمرا فلم، پروجیکٹرز پر ۲۳٪ کمی۔ سوٹ کیسوں اور بریف کیسوں کے صنعتی اجزا پر ۱۵٪ کمی۔ وی سی آر اور فلیبورڈ ملک پر کسٹم ڈیوٹی، ایکسائز ڈیوٹی اور

اور سیلز ڈیوٹی میں کمی۔ رجسٹرڈ فرمز کے لیے کم خاص یعنی انکم ٹیکس میں ۶۰ بہ نسبت ۴۵ پر کی کمی۔ ان معادات کا کم ہی کوئی اثر عام صارفین تک پہنچ سکتا ہے۔ چائے میں کوئی رعایت نہیں دی گئی۔

سیمنٹ، گھی، سوتی کپڑے، کیمیاوی کھاد کی پیداوار کم ہو چکی ہے۔

لیکن متذکرہ عنایات کے عوض قوم سے جو کچھ مزید لیا گیا ہے وہ یہ ہے: لوکل ٹیلیفون کال ۱۵ پیسے اضافہ، لوکل پوسٹیج ۳۳ پر اضافہ --- ٹیلی وژن کی ایکسائز ڈیوٹی پر اضافہ ۱۰ پر۔ کاسمیٹکس پر اضافہ ۳۰ پر۔ چھوٹے ہوٹلوں اور ٹی اسٹالوں کی ڈیوٹی میں اضافہ نیز سیگریٹوں کی ایکسائز ڈیوٹی میں اضافہ۔

ترقیاتی مد میں ۴۷ ارب روپے (۵ء۴۳ وفاقی) رکھے گئے ہیں (پچھلے سال سے ۳۳ پر زائد)

کام جو سامنے ہیں:

توانائی کے لیے ۴ برس میں ۱۰۵ ارب روپے درکار ہیں (اس سال ۱۱ ارب)

۸ لاکھ ایکڑ اراضی کو سیم تھور سے محفوظ رکھنے کے لیے ۲۶ء۲ ارب روپے

۳۹۰۰ دیہات میں بجلی پہنچانے، ۳ ہزار کلومیٹر دیہی سڑکیں تعمیر کرنے، ۳۵ لاکھ انسانوں کو پینے کا پانی فراہم کرنے، ۸ لاکھ افراد کو نکاسی آب کا انتظام کر کے دینے کے لیے

تعلیم اور صحت کی سہولتوں میں اضافہ (۴۳ء۱۳ ارب ہے، کچی آبادیوں کی اصلاح اور ۷ مرلہ اسکیم کے تحت ایک لاکھ رہائشی پلاٹ (ایک ارب روپے)

ملازمین کے ایک مختصر طبقے کی تنخواہوں اور پنشنوں میں اقتصادی حالات کا تناسب ملحوظ رکھے بغیر صحیح ضرورت سے کم اضافہ۔ مگر دوسری طرف افراطِ زر کا سرکاری الفاظ میں ۵ پر اور غیر سرکاری ماہرین کے اندازوں کے مطابق ۱۰ پر ہونا۔ اسی طرح ترقیاتی اخراجات کے بالمقابل سرکاری حساب سے غیر ترقیاتی مصارف کا تناسب کل بجٹ کا ۱۰ پر ہے۔ بخلاف اس کے پروفیسر خورشید احمد صاحب آئی۔ پی۔ ایس کے گروپ کی تحقیقات یہ ہے کہ تناسب ۷۴ء۱ پر ہے۔

ذرا یہ بھی خیال فرمایئے گا کہ ہماری اسلامی حکومت کے صرف وفاقی حساب میں سال ۸۶/۸۵ء کے سود کے جملہ محاصل ۱۱۹۴۱٫۵ ملین روپے تھے۔ اندیشہ یہی ہے کہ سال پورا ہونے پر یہ ۱۴۴۶۲ ملین تک پہنچ جائیں گے۔ گویا سود کا زہر ہماری حکومت اور ہمارے پورے معاشرے اور کاروبار اور انفرادی زندگیوں کے بھی ریشے ریشے تک اتر گیا ہے۔ اس کا خاتمہ تو کجا اس میں کمی بھی نہیں آئی، بلکہ الٹا حکومت نئی بانڈز اسکیم کا اجرا اس لیے کر رہی ہے کہ پیسے والوں کو سود کی چاٹ اسی طرح لگائی جا چکی ہے جیسے کسی ہپی کو ہیروئن کی ہوتی ہے یہ بھی شاید اسلام کی طرف پیش قدمی کی کوئی صورت ہو گی کہ ہر قدم سود کے سکے کے اوپر ٹکا کے آگے بڑھا جائے۔

یہ عمومی سی جھلکیاں تھیں۔ اب آیئے ایک اہم معاملے پر۔ ریلیبن ڈٹو صاحب نے نجانے کتنے بھلے مانسوں کے دل یہ کہہ کر خوش کر دیئے ہوں گے کہ تعلیم پر ہم اس مرتبہ قومی آمدنی ۲٫۲ اور اور کل بجٹ کا ۹٪ (سابق ۵٪) خرچ کر رہے ہیں۔ مزید وضاحت یہ کہ پہلے خرچ ۱۲۸۵ ملین روپے تھا۔ اب کی بار ۴۴ ۱۴ ملین روپے ہو گا۔

ہندسوں کے بڑھتے ہوئے اس قامت پر کتنی بھی خوشی منائی جائے، چند سوال سامنے آتے ہیں۔ مسئلہ یہی نہیں کہ تعلیم پر کتنا خرچ کیا جا رہا ہے اور جو خرچ کیا جا رہا ہے وہ حالیہ اضافہ ہونے کے بعد بھی کتنا کم ہے۔ زیادہ بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کیسی تعلیم دی جا رہی ہے کیا آپ کی درس گاہیں ـــــ ان کے نصاب، اساتذہ اور وسائل ـــــ اس قابل ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے اندر سے خدا کے دین کے سچے علمبردار اور شیخ برحق نے عطا کردہ مشن کے نقیب بن کے کھڑے ہو سکیں؟ ایسا ہے تو اس نوع کے طلبہ کا تناسب کیا ہے؟ کیا آپ کے مخالفِ اسلام نظریات، معاندِ اسلام اساتذہ اور تعلیمی نظام میں پائے جانے والے تضادات کو دُور کرنے کا انتظام اور درس گاہ اور معاشرے اور خصوصاً نظامِ تعلیم اور ذرائع ابلاغ یا نظامِ تعلیم اور معیشت کے ٹکراؤ کے روکنے کا آپ نے کوئی منصوبہ اختیار

کیا ہے۔ آخر موجودہ بے مقصد اور بے معیار نظام تعلیم کیسے چلے گا ؟
اسے جس طرح ملغوبہ یا معجون مرکب بنا دیا گیا ہے اور خوب اچھی طرح اُٹھا کر اسلام پر
احسان رکھ دیا گیا ہے اس سے قوم تو تعمیر نہیں ہو سکتی - آپ کے معاشرے میں تو پڑھے
لکھے غنڈوں اور تخریب کاروں کا اضافہ ہو رہا ہے - اور یونیورسٹیاں اسلحہ خانوں اور
چھاؤنیوں میں بدل چکی ہیں - ایک شے محبتِ پاکستان بھی تھی، مگر علاقہ پرستوں اور نسل پرستوں
اور لسان پرستوں نے اس کے چیتھڑے اُڑا دیئے ہیں - استاد اور طالب علم کا مقدس رشتہ
ٹوٹ چکا ہے - تعلیم قدیم انداز پر ایمان و اخلاق دینے ہی سے عاجز نہیں ہے، معقولیت
بردباری اور انسان دوستی دینے سے بھی عاجز ہے -

بس آپ اوپر سے اس میں تھوڑا بہت روپیہ ڈالتے رہیے -

کیا یٰسین وٹو صاحب اور ان کے ہم دوش وزراء اور ان کی مقدس حکومت بتا سکے گی کہ
تعلیم کے جو دو دھارے یہاں بہ رہے ہیں — ایک آقاؤں کی تعلیم کا نظم اور دوسرا
عوام کی اولاد کے لیے کلرک یا ٹائپسٹ اور ملوں کے مزدور بننے کا نظم، یہ دو عملی آخر
کب تک جاری رہے گی - لوگ عرصہ دراز سے چیخ رہے ہیں، ماہرینِ تعلیم، تعلیم کے
اس برہمنی اور شودری سسٹم کے خلاف برسوں سے آواز اٹھا رہے ہیں - اخبارات میں
کتنے ہی مدیروں، ایڈیٹروں اور دانشور مضمون نگاروں نے اس لعنت سے ملک کو پاک کرنے
کے لیے اپیل کی، مگر جس حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی ہو، بلکہ شاید کان ہوں ہی نہیں،
وہ اگر اس سال ۵۹ ارب روپے زاید دے کر ہمارے ذہنوں پر غنودگی طاری کرنا چاہتی
ہو تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتی - وہ برہمنی، شودری سسٹم ختم کر دے تو چاہے ۵۹ ارب
روپے واپس لے لے ہم بہت خوشی محسوس کریں گے -

یٰسین وٹو صاحب وزیرِ تعلیم سے پوچھ کر بتائیں کہ آخر ہماری زندہ و توانا قومی زبان کے
ہوتے ہوئے انگریزی زبان ہمارے قصرِ تعلیم میں کیوں سنگھاسن جمائے براجمان ہے اور
قومی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اندر قدم رکھنے کی اجازت نہیں - اس سلسلے میں کیا پیش رفت
کس رفتار سے ہوئی ہے - اور بجٹ کے ساتھ اس کے لیے کیا اسکیم بنائی گئی ہے -

پھر ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ سالہا سال کی ایک قومی پکار کو نظرانداز کر کے مخلوط تعلیم کا جو اخلاقی کینسر ہمارے ہاں ٹھونس رکھا گیا ہے، آخر اس میں تبدیلی کیوں نہیں آتی ہے کیا نئے بجٹ میں کوئی گنجائش رکھی گئی ہے کہ کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں خواتین یونیورسٹیاں کھلیں اور تمام زنانہ کالج ان سے مربوط ہو جائیں ؟ اور اگر نہیں تو کون سی قوت ہے وہ جو خدا اور رسولؐ کی دی ہوئی ہدایت بہ سلسلہ صنفین کے راستے میں مزاحم ہے ؟ کوئی فرد ہے تو ہم اس فرد کو جاننا چاہتے ہیں، کوئی سیاسی جماعت ہے تو ہم اس جماعت کو جاننا چاہتے ہیں، کوئی قیادت و وزارت ہے تو ہم اس قیادت و وزارت کو جاننا چاہتے ہیں۔ کونسا محکمہ رکاوٹ ہے ؟ کونسا ادارہ حائل ہے ؟

پھر ہمیں یہ بتایا جاتے کہ آپ نے قوم کی تعلیمِ عام کے لیے قومی ذرائع ابلاغ کی مدد سے بہ صرفِ زرِ کثیر یہ جو پروپیگنڈا فیملی پلاننگ کے لیے شروع کر رکھا ہے اور جس کا سلوگن ہے کہ بچے دو ہی اچھے، اور اب اس تعلیم کو آپ ایک طرف ڈاکٹروں کے ساتھ ساتھ حکیموں کے ذریعے اور دوسری طرف اسکولوں میں رائج کرنا چاہتے ہیں، اس کو جو قوم بہ حیثیت مجموعی نہ مانتی ہو اور اسے خلافِ دین سمجھتی ہے، اس پہ زبردستی کیوں ٹھونستے ہیں۔ آپ اس گندی اسکیم کو واپس لے لیجیے اور اس کے ساتھ ۱۵۹ ملین روپے تعلیم والے بھی لے لیجیے اور ۷۴ ملین ترقیاتی مصارف سے بھی معاف فرمائیے۔ خدا را ہمیں ایک ایسے بدترین گناہ میں نہ ڈالیے جس کی وجہ سے اکثریتیں اقلیتوں میں بدل جاتی ہیں۔ اور آپ کے اندر کی اقلیتیں بڑھ کر آپ کا تناسب کم کر دیں گی۔ براہ کرم نظامِ تعلیم کو اس سے پاک رکھیے، ورنہ نوجوان نسل کے لڑکے اور لڑکیوں کو غلط موقع پر غلط انداز سے غلط معلومات دے کر انہیں بدکاری میں مبتلا کر دیں گے اور پہلے کئی قوموں میں ایسا ہو چکا ہے۔

آخری بات تعلیم کے سلسلے میں یہ دریافت طلب ہے کہ آخر آپ نے تعلیم بالغاں کے لیے اب تک کیا کیا اور آئندہ کیا کریں گے۔ یہ بجٹ تو کوئی امید نہیں دلاتا ۔ کیا آپ اس ملک کے سو فی صد افراد کو آئندہ ۵ یا ۱۰ برس میں خواندہ بنا دیں گے ؟ آخر ۳۴ سال کا حساب کیا ہے ؟ رفتار کیا تھی ؟ اور آئندہ کتنا وقت لگے گا ؟ اس کام کے لیے مشینری ہے ؟ فنڈ نہیں ؟

اگر جواب نفی میں ہو تو معاشرے کی اکثریت کو تعلیم سے محروم رکھ کر اقلیت کو تعلیم دیتے چلے جانا کبھی بھی صحت مندانہ نتائج نہیں دے سکتا۔

تعلیم کے سلسلے میں یہ بھی فرمایئے کہ آپ نے یونینوں کو خلاف قانون قرار دے کر تعلیم گاہوں میں امن قائم کر لیا ہے؟ کیا اس فیصلے کے بعد جو حوادث رونما ہوئے ہیں اور اب جو بارود اندر ہی اندر دبا پڑا ہے اور کسی مرحلے پر پھٹنے کا انتظار کر رہا ہے۔ اس کا کوئی حل آپ نے سوچا ہے۔ کیا یونینوں پر پابندی عاید کرنے سے ان خطرناک امکانات کے اضافے کو آپ روک سکتے ہیں۔ صاف تسلیم کیجیے کہ آپ نے جس مرض کا جو علاج سوچا تھا، تشخیص بھی غلط اور نسخہ بھی غلط۔ اب نئے سرے سے سوچیے۔

درس گاہوں میں جب تک ایسی قوتیں تھیں جو دینی اور اخلاقی اصولوں پر بلند اور اچھے مقاصد کے لیے نوجوانوں کو جمع کر کے انہیں قرآن کے درسوں، سیرت کے جلسوں، تربیت گاہوں، مجالس مطالعہ اور خدمتی سرگرمیوں میں لگائے رکھتی تھیں۔ طلبہ کی اچھی خاصی تعداد مثبت تعمیری انداز کی طرف پیش قدمی کرتی تھی۔ اور اسلام پر اعتقاد کے ساتھ پاکستان کے لیے سچی محبت رکھنے کی وجہ سے اچھی خدمات پیش کرتی تھیں۔ ان کو میدان سے ہٹانے کے لیے کچھ شریر عناصر نے یہ تدبیر کی کہ پروپیگنڈے کے دائرے میں تو اچھے بُرے سب قسم کے لوگوں کو جماعتوں کے سیاسی آلہ ہائے کار کہہ کر پایۂ اعتبار سے گرایا اور عملاً شرافت پسند اور علمبرداران دین پر مسلح حملے کر کے یہ فضا پیدا کر دی کہ ان نوجوانوں کی تنظیموں کو اگر اسی طرح کام کرنے دیا گیا تو مار دھاڑ ہوتی رہے گی۔ سو تنظیمیں ختم کر دی گئیں اور مار دھاڑ ہوتی چلی جا رہی ہے بلکہ پہلے سے زیادہ سنگین شکلیں اختیار کر رہی ہے۔ اب بات عام پستولوں سے آگے نکل کر کلاشنکوف رائفلوں تک پہنچ گئی ہے۔ اصل مصیبت یہ ہے کہ نہ آپ لوگ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں غیر طالب علم لوگوں کی آمد اور ان کے قیام کو روک سکتے ہیں، نہ پوری طرح تلاشی لے سکتے ہیں، نہ صحیح مجرموں کے ساتھ صحیح طرز عمل اختیار کر سکتے ہیں۔ جرم کی طاقت کو جب اپنے سامنے صرف "کمزوری" ہی "کمزوری" دکھائی دیتی ہے تو وہ مسلسل زور پکڑتی جاتی ہے۔

پس اب بجٹ کو سامنے رکھ کر سوال یہ ہے کہ آیا آپ تعلیم گاہوں کو بارود خانے اور

مراکز جرائم بننے سے روک سکتے ہیں۔ اس کی کوئی اسکیم، کوئی منصوبہ؟ کوئی فنڈ؟ اس بجٹ میں تو ایسی کوئی چیز نہیں۔

ابھی اس بجٹ کے متعلق مجھے بہت دردناک باتیں کہنی ہیں۔

پہلے ذرا یہ حقیقت آجاگر ہو جائے کہ وزیر اعظم کے جن پانچ اصولوں کی دھوم ہے کہ سارا بجٹ کیا، پوری قومی پالیسیاں اُن کے محور پر گھومیں گی۔ میں ان اصولوں کے اچھے اچھے کلمات یہاں عرض کرتا ہوں۔

منصفانہ بنیادوں پر مبنی اقتصادی نظام — بے روزگاری دُور — عوامی خوش حالی کا یقینی حصول — ناخواندگی کا خاتمہ — قوم کو جدید سائنسی دور کے لیے تیار کرنا — رشوت، ناانصافی اور دیگر بدعنوانیاں ختم — عوام کے لیے احساسِ تحفظ و انصاف — مضبوط قومی دفاع — غیر جانب دارانہ متوازن خارجہ پالیسی — ملکی وقار اور سالمیت کا استحکام۔

میں ان خوبصورت اور پرشکوہ الفاظ کی داد دیتا ہوں۔ ادیب اور شاعر اور افسانہ گر ایسے ایسے خواب آفریں خوبصورت کلمات کی تلاش میں بڑی کاوشیں کرتے ہیں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ۵ نکات کے مطابق جائزۂ احوال کیا ہے؟ منصوبہ کیا ہے؟ کونسا کام کب کتنا ہونا ہے؟ بجٹ کا کونسا صفحہ کس نکتے کی تعبیر ہے۔ کم سے کم مجھے تو ان سوالوں کے جواب میں سوائے اُلجھنے کے اور کوئی تجربہ پیش نہیں آیا۔

دلچسپ یہ کہ ان پانچ نکات سے وہ بیچارا مسکین اسلام بالکل خارج ہے جسے ۴۸-۴۹ کے بعد سے اب تک کے لوگوں نے بہ طور خانہ زاد بدیں شرط رکھنا چاہا ہے کہ آپ ہمارے جلسے جلوسوں میں شاہانہ پوشاک پہن کر سنہری پیٹی لگا کر آجایا کریں۔ ہم آپ کو خوب سلامیاں دیں گے پھر فارغ ہوتے ہی ایوانِ خاص کے شاگرد پیشہ کے پچھواڑے میں جو کباڑ خانے والی کوٹھڑی ہے اُس میں چودہ سو سال پرانا مُوگھا لے کر اس طرح پڑے رہا کریں کہ کھانسی والنسی تک سے یہ پتہ نہ چلے کہ آپ ہیں۔ نیا دگڑ نہیں ملنے کا، کیونکہ یہ اسلامی ریاست ہے اور اس میں اسراف سخت

ممنوع ہے اور آپ ہی کے حکم سے۔

مگر وزیر اعظم نے اپنے پانچ نکات والی تقریر میں تبرکاً و تفاؤلاً آغاز قائد اعظم کی سبی دربار والی تقریر (۱۹۴۸ء) کے حوالے سے کیا۔

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات ان سنہری اُصولوں پر عمل کرنے میں ہے جو ہمارے عظیم قانون دہندہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ آیئے اپنے ملک میں جمہوریت کی بنیاد صحیح اسلامی تصورات اور اُصولوں پر رکھیں۔ ہمارے رب نے ہمیں یہی سبق دیا ہے کہ مملکت کے معاملات میں فیصلے باہمی بحث مباحثے اور مشاورت کی روشنی میں کرنے چاہئیں۔"

اچھا خاصا ایمان تازہ کر دینے والا کلام ہے۔ وزیر اعظم کی نشان دہی اور قائد اعظم کے ارشادات کی محبت میں میں "نجات کے سنہری اُصولوں" "عظیم قانون دہندہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم" کی قانونی رہنمائی، "جمہوریت کے صحیح اسلامی تصورات و اُصول" جیسے جگمگاتے فانوسوں کی تلاش میں بجٹ کے جنگل میں ادھر سے ادھر تک گھومتا پھرا۔ ہندسوں کی چٹانوں سے چوٹیں کھائیں۔ بڑی بڑی رقموں کی سنگلاخ وادیوں کو پار کیا۔ وزیر خزانہ کے دلچسپ تصورات کے خوابوں میں پرواز کرتا ہوا ایسی ایسی تاریکیوں میں پہنچا کہ جہاں تند گردباد کی وجہ سے سانس لینا دشوار ہوگیا۔ مگر مجھے اسلام کا کہیں کوئی نقش پا بھی نظر سے نہ گذرا کہ ادھر سے سواری گذری ہوگی۔ آپ کو معلوم ہے ہی کہ سالانہ مالیاتی سروے میں سے تو اسلام کا موضوع ہی یاروں نے اُڑا دیا ــــــ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔ (تا بہ بجٹ چہ رسد!)

مجھے دکھاؤ کہ بجٹ میں اسلامی تجلیات کہاں کہاں ہیں۔ اور پھر میں دکھاؤں گا کہ کہاں کہاں اسلام کے چہرے پر زخم لگائے گئے ہیں۔

آخر اس بجٹ میں وہ کون سی چیز ہے جو یہ گواہی دے کہ یہ بجٹ ایک عام قسم کے گروہ انسانی کا نہیں ۔ بلکہ ایک عظیم مشن کی علمبردار ملت کا بجٹ ہے جو ہر قسم کی ذہنی غلامی سے آزاد ہے اور جس نے دوسروں کے عنوانات ، دوسروں کی اصطلاحات اور دوسروں کے میزانیوں کے روایتی ڈھانچوں کو توڑ کر لوحِ وقت پر نئی تقدیر لکھی ہے ؟ جس نے نوآبادیاتی دور ، اور پھر آزادی پر پڑنے والے نوآبادیاتی آسیبی اثرات کی زنجیروں کی ہر کڑی کو توڑ ڈالا ہے ۔ میں نے ہزار چاہا کہ ہندسوں کے اس شہر سے تحریک پاکستان کی کوئی آواز سنوں ، مگر ایسی کوئی آواز خود بجٹ کے اندر سے نہیں آتی ۔ باہر سے بجٹ کے سرپرست کیسی ہی شاندار تسبیحیں پڑھتے رہیں ۔ میں قوم کے اس گروہ کو جانتا ہوں جس نے پہلے بھی پاکستان اور قائداعظم اور علامہ اقبال کی محبتوں اور عقیدتوں کی تسبیحیں پڑھتے پڑھتے قوم کو اپنے مفاد کی چکی میں پیسا ہے ۔ جس نے جماعتیں بدل بدل کر اور حکومت کے نئے نئے نظاموں کے پیرائے میں راستے بنا بنا کر اپنا بھاری جوا کمزور عوام کے کندھوں پر رکھا اور پھر تشدد کے چابک سے اسے چلایا ہے ۔ اس ملک کی بدقسمتی ہے کہ قیادت کی مارکیٹ میں جو سکہ ایک بار کھوٹا ثابت ہو جاتا ہے ، وہی چند سال بعد پہلے سے زیادہ قیمت پر چلن پاتا ہے ۔

کسی کو یاد نہیں کہ وہ کیا کیا باتیں ہیں جو پہلے قائداعظم نے اور پھر ہزاروں پیروکاروں نے زبانی اور تحریری طور پر اس قوم کو مخاطب کر کے کہیں ؟ جداگانہ قوم ہونے اور ایک الگ تہذیب کی تعمیر کے لیے کیا کیا استدلال ہم نے پوری دنیا کو مخاطب کر کے کئے ؟ کیا کیا باتیں ہم نے ہندو قیادت اور بھارتی حکومت سے سرکاری فیصلوں ، جماعتوں کی قراردادوں اور اخباری اداریوں اور دیگر کتب و مضامین میں کہیں ؟ سرمایہ داری کے خلاف لٹریچر کا کتنا انبار ہمارے ملک میں پیدا ہوا ؟ اشتراکیت کے نظریاتی بطلان اور اس کی تاریخی گمراہیوں پر کتنا وسیع کام ہوا ۔ سیکولرازم ، میٹریلزم پر کتنی بحثیں نشوونما پاتی رہیں ؟ اسلامی نظامِ اقتصادیات و مالیات

کی امتیازی نوعیت پر کتنے ہی مقالے وجود میں آ گئے؟
کیا ہمارا موجودہ موجودہ بجٹ ہمارے متذکرہ سارے کام کی تردید نہیں کرتا؟ کیا ہم اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش نہیں کر رہے کہ ہم اپنے سابق دعووں اور تحقیقاتوں اور اعتقادات و نظریات میں جھوٹے تھے؟
آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا یہ نقطۂ نظر قطعاً غلط ہے۔ ہو گا غلط۔ مگر مجھے صرف یہ بتلایئے کہ اسلام نے ایک اصول مساوات کا دیا تھا۔ اس مساوات کے اصول کی کیا کیا برکات آپ کے بجٹ میں موجود ہیں؟ کیا اس اصول کے ہوتے ہی جائز ہو گا کہ ایک عہدہ دار کو چار لاکھ روپے تنخواہ دی جائے؟ کیا آپ نے تمام درآمدی اشیاء پر غور کیا ہے کہ ان میں سے کتنی زیادہ تعداد اسرافیات کی ہے؟ تمام ملک میں دولت پرستی پھیل گئی ہے۔ دولت معیار شرف بن گئی ہے۔ دولت کے ذریعے سیاست کی باگیں ہاتھ میں رکھی جاتی ہیں، دولت کے ذریعے جرائم کا نظام چلتا ہے۔ کیا اس صورت حالات کی درستی کے لیے بجٹ میں کوئی اہتمام ہے؟
اسلام نے گردنیں چھڑانے کا ایک اصول دیا تھا۔ آپ نے کتنی گردنیں غربت سے، جہالت سے، بیماری سے چھڑائیں؟ کتنی گردنیں غنڈہ گردی اور چھاپہ ماری سے اور راستوں کی لوٹ مار کے خوف سے چھڑائیں؟ کتنی گردنیں آپ نے جاگیرداروں، وڈیروں اور بڑے صنعت کاروں کے تصرف میں آئے ہوئے کسانوں اور مزدوروں کی اس ذلت و غلامی و محرومی کی زندگی سے چھڑائیں جس میں وہ نسلاً بعد نسل مبتلا چلے آ رہے ہیں؟ ہزارہا لوگ ہیں جن کی ہڈیاں بعض خانوادے مدت ہائے دراز سے چچوڑ رہے ہیں، کیا ان کی گردنوں کو آپ نے چھڑانے کی فکر کی؟

آپ مامور ہیں کہ ظلم کی مختلف اشکال کو ختم کر دیں۔ آپ کے ملک میں لوگ علی الاعلان اغوا ہوتے ہیں، بچے راہ چلتے ہوئے اٹھا لیے جاتے ہیں، عورتوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔

بنک لُٹ جاتے ہیں، گاڑیوں اور بسوں پر ڈاکو چھاپہ مارتے ہیں، نہایت جدید قسم کے خطرناک اسلحہ کی ادھر سے اُدھر نقل و حرکت ہو رہی ہے اور بسا اوقات کوئی حادثہ یکایک اس خفیہ سرگرمی کا راز فاش کر دیتا ہے۔ پولیس سے مجرم مقابلہ کرتے ہیں اور پولیس والے مارے بھی جاتے ہیں اور پسپا بھی ہوتے ہیں۔ اس سوء آب میں ہر شہری احساس تحفظ سے محروم ہو چکا ہے۔ حالانکہ کسی مہذب ملک کی شہریت کی اوّلین برکت ہی یہ ہوتی ہے کہ احساس تحفظ حاصل ہو۔ آپ غلط عناصر کی نگرانی کر سکتے ہیں، آپ اہم جگہوں پر نگران مامور کر سکتے ہیں۔ آپ آبادیوں کو منظم کر کے ہر دس گھروں یا سو آدمیوں پر پُرانی طرز کا ایک چوکیدار مقرر کر سکتے ہیں۔ آپ گاؤں یا شہری محلوں میں باری باری گھر کی تلاشی لے سکتے ہیں، مگر ستم تو یہ ہے کہ بڑے بڑے حادثات ہو جانے کے بعد آپ ابتدائی سرسری تفتیش بھی کرنے کا کوئی انتظام نہیں کرتے اور نہ نتائج سے آگاہ کرتے ہیں۔ سیالکوٹ کے مولوی اسلم قریشی اور لاہور کے قاری اشرف ہاشمی دو ٹسٹ کیس سامنے پڑے ہیں —— مارشل لا بھی گذرا اور اب جمہوری حکومت کا دَور بھی گذر رہا ہے، مگر ان دو اہم شہریوں کے اغوا کے سلسلے میں حکومت نے ہمیں معلومات صفر سے زیادہ مہیا نہیں کیں۔

ملک میں بعض تخریب پسند قوتیں خانہ جنگی کے انتظامات کر رہی ہیں، لوگ انہیں تشویش سے دیکھ رہے ہیں، مگر بجٹ کیا عام تقریریں بھی نہیں بتاتیں کہ کوئی انتظام ہو رہا ہے۔ بعض صوبوں میں علیحدگی کے ویسے ہی ہتھکنڈے اختیار کیے جا رہے ہیں جیسے بنگلہ دیش بنانے والوں نے کیے تھے اور ان کے جواب میں یا غلط تدابیر ہیں یا خاموشی —— ایک صوبے کے حالات تو اس حد تک بگڑ چکے ہیں کہ پاکستان کے خلاف، اسلام کے خلاف، پنجاب کے خلاف، اُردو کے خلاف، قومی اکابر کے خلاف، ثقافتی اور معاشرتی قدروں کے خلاف کھُلم کھُلا حملے کیے جاتے ہیں اور کسی کے لیے مجال دم زدن نہیں۔ بگاڑ سامنے ہے اور چارہ کار سامنے نہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے کام ہو سکتا تھا۔ نہیں ہوا تو اب اس طرح سوچا جائے کہ نظریات کا مقابلہ نظریات سے، دلائل کا دلائل سے، لٹریچر کا لٹریچر سے، شکایات کا شکایات سے اور محرومی حقوق کا ادائے حقوق سے، نفرت کا محبت سے —— اور ایک

آخری محدود سے تخریب کارانہ اور مجرمانہ دائرے ہیں ____ قوت کا قوت سے کیا جائے گا (اور اس دائرہ میں کوئی لحاظ اور کوئی رعایت کام نہ کرے گی) تو بگاڑ کے آخری نشان تک پہنچنے سے پہلے حل نکل سکتا ہے۔ سندھی، پنجابی، سرحدی اور بلوچی باہمی کھینچاتانی کے بغیر خدمتِ اسلام اور بہبود انسانیت کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

کیا آپ سے یہ کام بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک مجاہد فورس یا جہاد گروپ منظم کریں جس کے تحت آوارہ نوجوانوں کی تربیت ہو، ملک و دین کی محبت اُن کو سکھائی جائے۔ اور اسلام اور پاکستان کی دشمن قوتوں کی شرپسندیوں کے جواب میں ان کو بر سرِ عمل لایا جائے۔ یہ لوگ ایک طرف اندرونی تخریب کاروں سے معرکہ آرا ہوں اور دوسری طرف بیرونی حملہ آوروں یا سازشی کاروں کی شرارتوں سے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقہ جو اس بجٹ کے پیچھے کام کر رہا ہے اس کے ہر فرد نے اپنے سینے میں قائداعظم اور علامہ اقبال کے مزار بنا رکھے ہیں جن پر اسلامی جذبات کے جھنڈے لہراتے رہتے ہیں۔ اور خوبصورت نعروں اور کلمات کے پنچھی خدا کی تسبیحیں کہتے رہتے ہیں اور یہ تمام حضرات ہر اہم موقع پر یہ نذرِ عقیدتوں کی چادریں اُن پر چڑھاتے اور محبتوں کے فانوس روشن کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر اسلام کا سارا حق یُوں ادا کر دینے کے بعد ایسے سنگ دل بن جاتے ہیں کہ قومی سرگرمیوں اور حکومتوں کے پروگراموں اور پالیسیوں میں ذرا سا بھی نور راستہ نہیں دیتے کہ اسلامی اصول و اقدار سر اُبھار سکیں۔ نفاذِ شریعت کا فیصلہ کرنے کا ایوان میں وعدہ کرنے کے بعد یہ کام لٹک رہا ہے اور اسے ہونے نہیں دیا جاتا بلکہ حال یہ ہے کہ اسلام کی آواز اُٹھا سکنے والے ہر آدمی کو لادینیت پسند مسلمان ایسے توہین آمیز طریقے سے دباتے ہیں کہ بات بننے نہ پائے۔ ایک ایک خاتون اس معاملے میں نہ صرف عظیم مجتہدہ اسلام بن کر بلکہ مجاہدۂ اسلام بن کر رستمانہ انداز سے ٹوٹ پڑتی ہے، اور ادھر اخبارات میں لادینیت پسند مسلمانوں کے حق میں طائفے کے طائفے حرکت

میں آجاتے ہیں۔ یعنی آج ہم اسلام کے خلاف ایک بڑی ہی خوفناک داخلی سازش سے دوچار ہیں۔ جس کا ایک شعبہ یہ ہے کہ دینی گروہوں کو افتراق کا شکار بنا دیا گیا ہے اور دوسری طرف اسلام کے بارے میں تضاد کے ایک جادو سے کام لیا جا رہا ہے۔ یعنی تعریف توصیف کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملادیں گے۔ اور کوئی عملی تقاضا سامنے آئے تو فرمائیں گے کہ یہ تو رجعت پسند ملاؤں کی باتیں ہیں۔ ہماری اسلامی ریاست تو جدید طرز کی وسیع الخیال ریاست ہے۔ اس تضاد کے اوّلین استاد مغرب کے اسلام دشمن مستشرقین ہیں۔

وقت قریب آرہا ہے کہ سازشی اور فریب کارانہ اور پُر تضاد طریقے ہیا ئے منشورا ہوجائیں گے۔

راقم کا اگر بس چلتا تو اس بحث کو قطعی طور پر مسترد کر دیتا۔ مگر مجبوری ہے کہ صرف صدائے احتجاج ہی بلند کی جا سکتی ہے۔